جھوٹ اور نِفاق کے تمام شعبوں سے پرہیز رکھنا چاہئے

(فرمودہ ۳۰؍اپریل ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

انسانی زندگی میں یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ ایک طرف تو انسان بڑے دعوے سے یہ بات پیش کرتا ہے کہ بھلا میں بیوقوف یا پاگل تھا کہ فلاں بات کرتا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ جان بوجھ کر کوئی شخص غلط طریق اختیار نہیں کرتا۔ دوسری طرف وہی انسان بعض دفعہ غلط طریقہ اختیار کرتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ اُس کا طریق غلط ہے۔ کیونکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ بے بس تھا اور اس کا بس نہ چلتا تھا اس واسطے اس نے ایسا کیا۔ وہی آدمی ہوتا ہے، وہی اُس کی طاقتیں ہوتی ہیں، وہی اس کے حالات ہوتے ہیں لیکن اُس کی زبان پر ایک وقت یہ فقرہ ہوتا ہے کہ کیا میں پاگل تھا کہ ایسا کرتا۔ اور پھر اُس کی زبان پر یہ فقرہ ہوتا ہے کہ وہ بے بس تھا اِس واسطے ایسا ہوگیا۔ اب ان دونوں باتوں میں سے ایک ضرور غلط ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی غلط ہوں۔ جب وہ یہ کہتا تھا کہ اس کے بس میں نہ تھا حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اُس نے اپنے بس کو اور طاقت کو استعمال کرنا پسند نہ کیا تھا۔ یا جب وہ یہ کہتا ہے کہ کیا میں پاگل تھا کہ ایسا کرتا، اُس وقت وہ اپنے علم کا غلط فائدہ اُٹھا رہا ہوتا ہے۔ درحقیقت وہ جانتا ہے کہ میں نے ایسا کام کیا ہے لیکن اپنے سمجھدار ہونے کی چادر میں اپنے عیب کو چُھپانے لگ جاتا ہے۔ گویا وہ جب کہتا ہے کہ کیا میں پاگل تھا اُس وقت بھی جھوٹ بولتا ہے اور جب کہتا ہے کہ میں بے بس تھا اُس وقت بھی بے بس نہیں ہوتا۔ جب ہم انسانی اعمال پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں باتیں غلط کہہ رہا ہوتا

ہے۔ یا کم سے کم ایک آسان طریق اس کو مجرم بنانے کا یہ ہوتا ہے کہ اُس کے دعوے کو ہی اُس کے سامنے پیش کر دیا جائے تو وہ شرمندہ ہو جاتا ہے۔

اب اسی سے پوچھنا چاہئے کہ فلاں موقع پر تو تم نے کہا تھا کہ کیا میں پاگل تھا یا بے بس تھا کہ ایسا کرتا اور اب کہتے ہو کہ بے بس تھا۔ ان دونوں میں سے کونسا دعویٰ صحیح تھا؟ اگر یہ فقرہ درست ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جب تک کہ اس کا علم اور عقل تسلی نہیں پائیں گے تو پھر یہ درست نہیں کہ وہ بعض افعال کے ارتکاب میں بے بس تھا۔ کیونکہ بے بس ہونے کے یہ معنے ہیں کہ یہ جانتا تو تھا لیکن رُک نہیں سکتا تھا۔ پس دونوں چیزیں ایک وقت میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ جو شخص ایمان اور عقل کے خلاف نہیں کرتا وہ بے بس نہیں ہو جاتا اور جو بے بس ہو جاتا ہے وہ اپنے ایمان اور عقل کے خلاف باتیں بھی کر لیتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ میں بے بس تھا وہ اقرار کرتا ہے کہ میں کبھی علم، ایمان اور عقل کے خلاف بھی باتیں کر سکتا ہوں کیونکہ مجبور ہو جاتا ہوں۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی عقل اور ایمان کے خلاف بات نہیں کر سکتا اُس کا اپنے آپ کو بے بس کہنا جھوٹ ہوتا ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنی مرضی کے خلاف کام نہ کرنے پر قادر ہے تو بے بس کس طرح ہوسکتا ہے۔ اصل میں یہ دو بہانے ہیں جن سے انسان اپنے جُرم کو چُھپاتا ہے۔ جب یہ خدا کے، اپنے ملک کے اور اپنے نفس کے فرائض کو ادا نہیں کرتا لیکن ساتھ ہی سمجھتا ہے کہ کوئی میرا جُرم ثابت نہیں کر سکتا تو کہہ دیتا ہے کیا میں پاگل تھا کہ یہ کام کرتا اور جب وہ سمجھتا ہے کہ میرا جرم نا قابلِ انکار حد تک ثابت ہے اور میں بہانوں سے اسے چُھپا نہیں سکتا تو کہتا ہے کہ میں کیا کروں، میں بے بس تھا۔ غرض دونوں عُذر مختلف جگہوں پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ جب جُرم ثابت ہو تو بے بس ہونے کا اور جب ثبوت مشکل ہو تو کہتا تھا کہ میں پاگل تھا کہ ایسا کرتا۔ ان دونوں عُذروں کی وجہ سے ہم سُستی اور غفلت میں روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا جس میں کئی عیب تھے۔ اس نے آپ سے درخواست کی اور نجات کا طریق دریافت کیا۔ اِس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ کچھ تم کوشش کرو کچھ میں دعا کرتا ہوں۔ تم یہ کرو کہ اپنے پانچ عیوب میں سے ایک کو چھوڑ دو۔ اور میں دعا کروں گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تمہیں باقیوں کے چھوڑنے کی بھی توفیق دے دے گا۔ اُس نے دریافت کیا کہ وہ کس کو چھوڑ دے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ نہ بولو اور ساتھ ہی اسے فرمایا کہ وہ حضور ﷺ سے ملتا رہے۔ اُس شخص نے

وعدہ کیا اور چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب اُس کے دل میں ایک عیب کے ارتکاب کی خواہش پیدا ہوئی تو جھٹ اسے خیال آیا کہ رسول کریم ﷺ نے یا کسی دوست نے پوچھا تو کیا جواب دوں گا۔ لہٰذا اُس کا ارادہ ترک کر دیا۔ کچھ وقفہ کے بعد دوسرے عیب کا خیال پیدا ہوا۔ پھر جھٹ یہ امر سامنے آ گیا کہ اگر رسول کریم ﷺ یا کسی دوست نے دریافت کیا تو کیا جواب دوں گا کیونکہ جھوٹ تو بولنا نہیں۔ بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ اس عیب کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ حتیٰ کہ چاروں عیبوں کے کرنے کا باری باری خیال پیدا ہوا اور اِسی خیال کے آنے سے کہ اگر رسول کریم ﷺ نے یا کسی دوست نے پوچھا تو کیا جواب دوں گا، سب کا ارادہ ترک کر دیا اور اُسی دن وہ اِن عیبوں سے محفوظ رہا۔ اِسی طرح کئی دن گزر گئے اور ہر روز اُس کی اِن عیوب سے بچنے کی طاقت بڑھتی گئی اور جب رسول کریم ﷺ نے اُس کو بلایا تو اس نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اس خیال سے کہ کسی کے دریافت کرنے پر اپنے عیب کا اقرار کرتے ہوئے سچ بولنے میں شرمندگی ہوگی میں نے اِس وقت تک یہ عیب نہیں کئے اور اب میں پانچوں عیبوں کے چھوڑنے پر قادر ہوں۔[۱] غرض جھوٹ کے چھوڑنے سے یہ طاقت اس کے اندر پیدا ہوگئی۔

یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے جُرم کو چھپاتا ہے یا دوسرے کو مرعوب کرنا چاہتا ہے تو جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب ان سے کسی ایسے امر کے متعلق دریافت کیا جائے جس میں ان کا قصور ہو تو جھٹ شور مچا دیتی ہیں، رونے لگ جاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ان پر یونہی بدظنی کی جاتی ہے۔ یہی حالت چالاک مردوں کی بھی ہوتی ہے۔ وہ اِس بات کی طرف آتے ہی نہیں۔ یہ طریق ایسے لوگوں سے ہی ظاہر ہوتا ہے جو دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بُرا ہے لیکن سچ بولنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہیں تا کہ ان سے اس بارہ میں دریافت نہ کیا جائے لیکن جب اُن کو اس بات کے بتلانے پر مجبور کیا جائے تو آخر وہ جھوٹ بول دیتے ہیں۔ بچوں کا بھی قاعدہ ہے کہ جب ان سے کوئی بات دریافت کی جائے تو جھٹ وہ اور سوال شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً اگر یہ دریافت کیا جائے کہ وہ کیوں مٹی میں کھیلتے رہے؟ تو کہنے لگ جاتے ہیں کہ بُھوک لگی ہے۔ گویا وہ چاہتے ہیں کہ بات کو دوسری طرف پلٹا کر جُرم پر پردہ ڈال دیں۔

جب کوئی انسان یہ ارادہ کرے کہ اُس نے ہمت سے کام کرنا ہے اور اپنے فرائض کو سمجھنا ہے تو ایسے انسان کو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو کام کرتا ہے اُسے بہانوں کی ضرورت نہیں

ہؤا کرتی۔ اِس قسم کے عذرات کی عادت جرائم کی محبت سے پیدا ہوتی ہے اور انسان چاہتا ہے کہ ان جرائم میں روک نہ پیدا ہو۔ ہاں کچھ ایمان کی چاشنی بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر ایمان کی چاشنی نہ ہو تو دھڑلے سے جھوٹ بولے۔ ایمان اس سے یہ کہتا ہے کہ اگر سچ بولنے سے بچ سکو تو فبِہا اور کفر کہتا ہے کہ نہ بچ سکو تو پھر جھوٹ ہی بول دو۔ ہمارے بعض آدمی چائے میں میٹھا اور نمک ڈال لیتے ہیں اور اس کا نام سنگترہ چائے رکھتے ہیں۔ میں تو اسے منافق چائے کہا کرتا ہوں۔ ایسے لوگوں کی حالت بھی اس ملی ہوئی مٹھاس اور نمک کی سی ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ مرض ایسا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ احمدیوں کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں ننانوے فیصدی پایا جاتا ہے۔ احمدی جو غیر تعلیم یافتہ ہیں ان میں بھی کثیر تعداد میں پایا جاتا ہے۔ وہ اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہی چیز قومی تباہی کا موجب ہؤا کرتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو کامل بنانے کی کوشش نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ بغیر کامل بننے کے بری ہو جائیں۔ لیکن جب کوئی شخص اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ سچ بولے تو وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ اسے کہیں جھوٹ نہ بولنا پڑے وہ اپنے کیریکٹر کو مضبوط کرتا ہے اور اعزازی کاموں کو بھی خوب تندہی اور کوشش سے کرتا ہے۔ اپنی ہر غلطی کو محسوس کر کے اس پر پچھتاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ آئندہ وہ غلطی اس سے سرزد نہ ہو۔

جھوٹے انسان میں اصلاح کی طرف توجہ پیدا نہیں ہوتی جو شخص کامل مومن بننا چاہے اُسے چاہیئے کہ جھوٹ اور نفاق سے پرہیز کرے۔ اِس طرح اُس کے تمام عیوب اُس شخص کی طرح آپ ہی آپ دور ہو جائیں گے جو نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تھا اور جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔

ایک آدمی کا ذکر ہے وہ بازار میں سے گزر رہا تھا کہ کیچڑ میں اُس کا پاؤں پھسلا تو اُس نے اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کیلئے بہانہ بنایا اور اونچی آواز سے پکارا کہ ہائے جوانی! ۔لیکن جب اُس نے اِرد گرد دیکھا کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا تو اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہا جوانی میں تُو کونسا بہادر ہوتا تھا۔ محض ظاہری اخلاق والا انسان ایک اجنبی کو تو دھوکا دے سکتا ہے لیکن واقف کار کو دھوکا نہیں دے سکتا۔

ایک دفعہ ایسا ہؤا کہ میں نانا جان کے ساتھ ریل میں انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا۔ اُن کا طریق تبلیغ کا یہ ہوتا تھا کہ دنیا کے اخلاق کے بگڑ جانے کے واقعات بیان کر کے نصیحت کرتے اور بِالآخر ضرورت مصلح کی طرف آجاتے اور گفتگو اِس طور پر کرتے کہ مجلس پر چھا جاتے اور کسی کو یہ جُرأت نہ ہوتی

کہ اُن کی تردید کر سکے یا بات کاٹ سکے۔ اُس وقت بھی انہوں نے اِس طریق پر باتیں شروع کیں۔ اِس پر ایک بوڑھے نے جو ہمارے پاس ہی بیٹھا تھا جھٹ کہنا شروع کر دیا کہ ہاں حالات واقعی خراب ہیں اور خود تقریر کرنی شروع کر دی اور اس زور شور سے کی کہ ساری مجلس پر سناٹا چھا گیا اور ہر ایک نے اُس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا۔ اس اثناء میں اُس نے جیل کے قیدیوں کی بے شمار مثالیں پیش کیں کیونکہ وہ داروغۂ جیل تھا۔ اتنے میں ٹکٹ کلکٹر اِس کمرہ میں داخل ہوا۔ جب اُس نے اِس سے ٹکٹ طلب کیا تو اُس نے فوراً اِدھر اُدھر جیبوں میں تلاش کرنا شروع کر دیا اور آخر کہہ دیا کہ ٹکٹ تو تھا معلوم نہیں کدھر گیا۔ مگر ٹکٹ کلکٹر وہاں نہ ٹلا اور اسے ٹکٹ نکالنا ہی پڑا جو تھرڈ کلاس کا تھا اِس پر بھولی سی شکل بنا کر کہنے لگا لیجئے ٹکٹ۔ میں جھوٹ تو نہیں کہتا تھا۔ ٹکٹ کلکٹر نے کہا یہ تو تیسرے درجے کا ٹکٹ ہے اور آپ ڈیوڑھے میں بیٹھے ہیں۔ کہنے لگا اچھا؟ ڈیوڑھا کیا ہوتا ہے؟ گویا وہ یہ جانتا ہی نہیں تھا۔ پھر کہنے لگا کہ وہ درجہ کہاں ہے؟ پھر بھولا بنتے ہوئے ٹکٹ کلکٹر سے کہنے لگا کہ اچھا پھر میرا ٹرنک اُٹھا لو اور مجھے وہاں لے چلو۔ اِس پر ٹکٹ کلکٹر نے خیال کیا کہ بوڑھا بالکل ناواقف ہے اور ایک قلی سے کہا کہ اس بوڑھے کا ٹرنک اُٹھاؤ اور تیسرے درجے میں بٹھا دو۔ اس شخص نے ٹکٹ کلکٹر کو دھوکا دے دیا لیکن ہم کو تو دھوکا نہ دے سکتا تھا۔ اِس قسم کا شخص ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے نزدیک لوگوں کو دھوکا دینے کا نام کمال ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص لوگوں میں دیانتدار مشہور ہو جائے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ اچھی بات ہے، میری خواہش پوری ہوگئی اب وہ مزید کوئی جدوجہد نہیں کرتا۔ اگر کسی کو لوگ پارسا سمجھ لیں تو وہ سمجھتا ہے کہ بس اتنا ہی کافی ہے کیونکہ اس کے نزدیک ذلت سے محفوظ رہنا ہی اصل مقصود ہوتا ہے اور وہ اپنے لئے نیکی کا راستہ بند کر لیتا ہے۔ حالانکہ چاہیئے یہ کہ وہ خواہ لوگوں میں نیک نام مشہور نہ ہو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں نیک ہو۔ کیونکہ نیک نامی بڑی نہیں ہوتی بلکہ نیکی بڑی ہوتی ہے۔ اگر پچاس باتوں میں ایک شخص نیک نام پیدا کرے تو یہ کوئی قابل فخر امر نہیں ہے۔ لیکن اگر اسے پانچ نیکیاں حاصل ہوگئیں تو یہ افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا**[۲] اگر کوئی شخص دوسروں کو بُھول کر اور صرف ہمیں یاد رکھ کر نیکیاں کرتا ہے تو خدا اس کی امداد کرتا ہے۔ لیکن جو محض نیک نام بننا چاہے خدا اُس کی امداد نہیں کرتا۔

پس حقیقی نیکی کی خواہش رکھنی چاہیئے کہ خدا کی نظر میں انسان نیک ہے اور اگر ایسی کوشش نہ

کرے گا تو اگرچہ لوگوں میں نیک نام ہوگا لیکن اُس کی بدیاں روز بروز بڑھتی چلی جائیں گی۔

(الفضل ۲۰ رمئی ۱۹۳۷ء)

---

[1]

[2] العنکبوت: ۷۰